اسلام کا نظامِ تکافل

مولانا اختر امام عادل قاسمی

اسلام ایک ہمہ گیر اور مستقل نظام حیات کا نام ہے۔اس کے پاس زندگی کے ہر مرحلے کے لیے مکمل ،اطمینان بخش اور قابل عمل ہدایات موجود ہیں۔اس کو اپنی رہ نمائی کے لیے کسی دوسرے نظام حیات سے مدد لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صدیوں کا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ ہر دور میں انسانوں کے دیگر خودساختہ نظاموں نے اپنے استحکام اور معنویت کے لیے اسلامی اصول وکلیات کا سہارا لیا ہے۔

انشورنس کی تاریخ

گزشتہ چند دہائیوں سے انشورنس کا مسئلہ کافی حساس نوعیت کا حامل ہوگیا ہے اور کسی بھی نظام اجتماع کے لیے اس کی بے حد ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔اگرچہ اس کی تاریخ بہت قدیم ہے،بعض تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۱۶ قبل مسیح ہی میں اس کو باقاعدہ سسٹم کی صورت حاصل ہوگئی تھی ،اور بحری سفر میں اس نظام سے استفادہ کیا جاتا تھا۔قدیم روما کی تاریخ میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔کہتے ہیں کہ چین میں اس کی تاریخ پانچ ہزار (۵۰۰۰) سال قدیم ہے۔عرب کی تاریخ جاہلی میں تجارتی اسفار کے ضمن میں ابن خلدون نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ قافلہ میں کسی ساتھی کا اونٹ ہلاک ہوجاتا یا کسی کو غیر متوقع شدید تجارتی نقصان درپیش آتا تو دوسرے ساتھی نقصان کی تلافی کے پابند ہوتے تھے۔اس طرح باہمی تعاون سے ان کا کاروبار چلتا تھا۔[۱]

علامہ شامیؒ نے بھی ’مستامن‘ کی بحث کے ذیل میں ’سوکرہ‘ کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔[۲]

انشورنس کی ابتدائی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا آغاز تعاون باہم کے جذبہ سے ہوا تھا۔ بعد میں اس کو منفعت بخش تجارت میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسی لیے ابتدائی دور میں یہ ایک سادہ قسم کی چیز اور ہر طرح کی خرابیوں سے پاک تھی۔ بعد کے ادوار میں جب اس پاک جذبہ کا استحصال شروع ہوا اور یہودی لابی کی کوششوں سے اس کو زیادہ سے زیادہ مال کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا تو اس میں ربا، قمار، ظلم اور فریب کے عناصر بھی شامل ہوتے گئے۔ جب تک یہ سادہ حالت میں تھا اس وقت تک موضوع بحث نہیں تھا، ناجائز عناصر کی شمولیت کے بعد یہ موضوع بحث بن گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آج بھی بیمہ کو اس کی اصل حالت میں واپس لایا جائے اور اسے فاسد عناصر سے پاک کر دیا جائے تو ساری بحث ختم ہوجائے گی اور وہ ہر شخص کے لیے قابل قبول ہوگا۔

اسلامی تعلیمات میں تکافل کی بنیادیں

آج عالمی طور پر اس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ ان بنیادوں کو دریافت کیا جائے جن پر اسلامی انشورنس کی تشکیل کی جاسکے اور ایک بہتر نظامِ تکافل کی تعمیر ہوسکے۔ اس لیے کہ ایک ترقی یافتہ معاشرہ کے لیے اس کی بہت اہمیت ہے ۔

اسلامی تعلیمات میں تکافل کی درج ذیل بنیادیں موجود ہیں:

(الف) تعاونِ باہم

اسلام تعاونِ باہم اور تبرّع وایثار کا سب سے بڑا وکیل ہے۔ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، ایثار اور محبت وخلوص کی تلقین کی گئی ہے، مثلاً:

وَيَسْـأَلُونَكَ مَـاذَا يُـنـفِـقُـونَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرۃ:۲۱۹)	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیں کہ عفو(یعنی ضرورت سے زائد مال خرچ کردو۔)
وَالَّـذِيـنَ يَـكْـنِـزُونَ الـذَّهَـبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُـنـفِـقُـونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ (التوبۃ:۳۴)	جولوگ سونا اورچاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے ،ان کو دردناک عذاب کی بشارت سناویں۔

احادیث میں بھی دوسروں پر خرچ کرنے اور ان کی ضرورتوں میں کام آنے کی تلقین کی گئی ہے۔ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من کانت لہٗ فضل ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ فان ابیٰ فلیمسک ارضہ۔[۳]

جس کے پاس زائد زمین ہو وہ کاشت کرے یا اپنے بھائی کو دے دے۔اگر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کی زمین روک لی جائے۔

ارشاد نبوی ہے:

من کان معہٗ فضل ظھر فلیعد بہٖ علیٰ من لاظھر لہٗ ومن کان لہٗ فضل زاد فلیعد بہٖ علیٰ من لازاد لہٗ.[۴]

جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ اس کو اس کے حوالہ کر دے جس کے پاس کھانا نہ ہو۔

(ب) عام انسانی بنیادوں پر امداد باہم

غریبوں،مسکینوں،یتیموں اور ضرورت مندوں کے شخصی امداد وتعاون پر تو بے شمار نصوص ہیں،لیکن عام انسانی ضرورت کے وقت امداد باہم کے سلسلے کی ہدایات بھی کم نہیں ہیں۔ بطور نمونہ یہاں میثاقِ مدینہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ہجرت کے بعد سرکار دوعالم ﷺ کے حکم سے مسلمانوں اور یہودیوں کے لیے تیار کیا گیا تھا:

المھاجرون من قریش علیٰ ربعتھم یتعاقلون بینھم وھم یفدون عانیھم بالمعروف والقسط بین المسلمین.

مہاجرین قریش اپنی سابقہ حالت پر برقرار رہیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں کے درمیان معروف طریقے پر حق وانصاف کے ساتھ ادا کریں گے۔

وإن المؤمنین لایترکون مُفْرَحاً بینھم أن یعطوہ بالمعروف فی فداء اوعقل.

مسلمانوں کو بوجھل اور مایوس نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ ان کا فدیہ اور دیت سب مل کر ادا کریں گے۔

وإن المؤمنين المتقين علىٰ من بغىٰ منهم أوابتغىٰ دسيعة ظلم أوإثم أو عدوان أوفساد بين المؤمنين وأن أيديهم عليه جميعاولو كان ولد أحدهم .

متقی مسلمان باغیوں اور ظالموں کے ظلم وگناہ اور فساد وطغیان کے خلاف مضبوط دیوار ہوں گے، سب کی قوت ایک مانی جائے گی، چاہے ان میں سے کسی کا کوئی بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

وإن المؤمنين بعضهم موالى بعض دون الناس .

مسلمان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔

وإنهٗ من تبعنا من يهود فإن لهٗ النصر والاسوة غير مظلومين ولامتناصرين عليهم .

جو یہود ہمارے حمایتی ہوں گے ان کو یکساں طور پر امداد واستحقاق حاصل ہوگا، ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

وإن كل غازية غزت معنا يعقب بعضهم بعضاً .

جو جماعت ہمارے ساتھ جہاد میں نکلنے کی خواہش مند ہے ان میں باہم ترتیب قائم ہوگی اور وہ یکے بعد دیگرے نکلیں گے۔

وإن المؤمنين يُبِئُ بعضهم علىٰ بعض بمانال دماء هم في سبيل الله .

راہ خدا میں شہادت کی صورت میں مسلمان ایک دوسرے کی مکافات برابر طور پر کریں گے۔

وإنهٗ من اعتبط مؤمناً قتلاً عن بينة فإنهٗ قود بهٖ إلاان يرضىٰ وليّ المقتول وإن المؤمنين عليه كافة ولايحل لهم إلا قيام عليه .

جو کسی مؤمن کو بلا قصور قتل کردے اور ثبوت قتل موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا، الّا یہ کہ مقتول کے اولیاء راضی ہوجائیں اور یہ ذمہ داری تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور ان کے لیے نظام قصاص کے قیام کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

وإن اليهود ينفقون مع المؤمنين ماداموا محاربين .

جنگی حالات کے دوران یہود مسلمانوں کی مالی امداد جاری رکھیں گے۔

وإن بينهم -بين المسلمين واليهود- النصر علىٰ من حارب أهل هذهٖ الصحيفة.	مسلمان اور یہودی باہم تعاون کے پابند ہوں گے ان لوگوں کے خلاف جو اس میثاق میں شامل فریقوں سے برسرپیکار ہوں۔
وإن بينهم النصح والنصيحة.	ان کے درمیان باہم ہمدردانہ اور خیرخواہانہ جذبات کارفرما رہیں گے۔
وإن بينهم النصر على من دهم يثرب.[۵]	مدینہ منورہ پر یلغار کرنے والوں کے خلاف یہ باہم ایک دوسرے کے تعاون کے پابند ہوں گے۔

غرض اس میثاق میں تعاون باہم اور تکافل اجتماعی کے لیے پورا خاکہ موجود ہے۔ اس میں دیت کی ادائیگی، قیدیوں کی رہائی، قرض یا کمرتوڑ اخراجات کے بوجھ سے دبے ہوئے انسانوں کی امداد، ظلم وفساد کے دفعیہ وغیرہ مختلف مشکل مراحل کے لیے اجتماعی تعاون وتکافل کی بنیادیں مہیا کی گئی ہیں۔ اسی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کے لیے مذہب، خطہ، زبان یا پیشہ کسی بھی چیز کو اساس بنایا جاسکتا ہے۔

انشورنس کے مقاصد

انشورنس کے بنیادی مقاصد تین ہیں: (۱) خطرات سے تحفظ اور ذہنی اطمینان (۲) مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا تعاون (۳) مستقبل کے لیے احتیاطی تدابیر

شریعت اسلامیہ میں ان تینوں کے لیے پوری گنجائش موجود ہے، بہ شرطے کہ ان میں ناجائز عناصر کی آمیزش نہ ہو۔

تحفظ واطمینان

انسان فطری طور پر امن پسند واقع ہوا ہے۔ ہر شخص کی یہ آرزو رہوتی ہے کہ اسے ایسی جگہ اور ایسا ماحول نصیب ہو جہاں وہ مکمل اطمینان وسکون کے ساتھ رہ سکے، اس کی جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ پوری آزادی اور بے فکری کے ساتھ ترقی کرسکے۔ اسلام نے انسان کی اس فطری خواہش کو رد نہیں کیا، بلکہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نعمت خداوندی کے طور پر کیا گیا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ. الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ. (قریش:۳-۴)

پس چاہئے کہ لوگ اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں، جس نے ان کو کھانا دے کر بھوک سے اور امن عطا فرماکر خوف سے نجات عطا فرمائی۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من أصبح منكم معافاً في جسدهٖ آمنافي سربهٖ وعندهٗ قوت يومهٖ فكانماحيزت لهٗ الدنيا. [٦]

جس کی صبح اس حال میں ہو کہ وہ جسمانی تکلیف سے آزاد اور نجی زندگی میں پرامن ہو اور اس کے پاس اس دن کی روزی بھی موجود ہو تو گویا اسے ساری دنیا حاصل ہوگئی۔

اسی طرح قرآن کریم کی متعدد نصوص میں بقائے امن اور خطرات سے تحفظ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ خُذُواْ حِذْرَكُمْ فَانفِرُواْ ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُواْ جَمِيعاً۔(النساء:۷۱)

اے ایمان والو! اپنے تحفظ کا سامان اختیار کرو، یا تو سب الگ الگ نکلو یا ایک ساتھ نکلو۔

علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ کی بے شمار ہدایات موجود ہیں جن میں ایک محفوظ اور پرامن سوسائٹی کی تشکیل پر زور دیا گیا ہے، جس میں ہر شہری کو اپنے حقوق کے معاملے میں مکمل تحفظ حاصل ہو۔ خلافت الٰہی کی ضرورت اسی لیے ہے۔ خلیفۂ وقت ملک میں اسی نظام کو نافذ کرنے کا پابند ہے، جس میں شریعت کی روشنی میں امن وامان کا ماحول قائم ہو۔ انسانی سوسائٹی اور حیوانی سوسائٹی میں یہی چیز خط امتیاز بنتی ہے۔ اگر انسانی معاشرہ بھی امن وامان اور نجی تحفظات سے محروم ہو تو اس میں اور حیوان میں کیا فرق رہ جائے گا؟!

خطرات سے تحفظ کے لیے تعاون باہم

انسانی زندگی ہروقت خطرات کے دہانے پر ہے۔ اس سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی لیے اجتماعی زندگی کی بڑی اہمیت ہے۔ خطرات یا نقصانات کا مقابلہ ایک فرد کے لیے مشکل ہے، لیکن یہی بوجھ پوری جماعت پر تقسیم کردیا جائے تو آسان ہوجاتا ہے۔ اسلام نے جائز

مقاصد کے لیے ایک دوسرے کے تعاون کا حکم دیا ہے۔قرآن کریم میں ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ:۲)	نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو، ظلم وگناہ میں تعاون مت کرو۔

تعاون اپنے وسیع معنیٰ میں اسلامی سوسائٹی کی بنیاد ہے۔اس میں مالی، بدنی، اخلاقی ہر قسم کا تعاون داخل ہے۔اسلامی سوسائٹی میں جس طرح مصیبت کے وقت تعاون مطلوب ہے اسی طرح خطرات کی پیش بندی کے لیے بھی تعاون پسندیدہ چیز ہے۔خطرہ فقر وفاقہ کا ہو یا کساد بازاری کا یا تجارتی نقصانات کا، جان کو درپیش ہو یا مال کو، جسمانی صحت متأثر ہوتی ہو یا عزت وآبرو، کسی بھی قسم کا خطرہ ہو، اگر اس کی پیش بندی کے لیے جائز طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تو اس میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جانا چاہیے، کہ اس سے فرد کی زندگی اور جماعت کی ترقی وابستہ ہے۔سنت نبوی میں اس کی بہترین مثال موجود ہے۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أن الأ شعريين إذا أرملوا في الغزو أو قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية، فهم مني وأنا منهم. ؎	قبیلۂ اشعر کے لوگ جنگ کے مواقع پر یا مدینہ میں رہتے ہوئے غذائی اشیاء کی کمی محسوس کرتے تو جس کے پاس جو ہوتا اسے لے کر ایک کپڑے میں جمع کر لیتے، پھر باہم ایک برتن سے برابر برابر تقسیم کر لیتے، پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

ایک دوسری روایت حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں کی غذائی اشیاء کم ہو گئیں اور فقر وفاقہ کی نوبت آ پہنچی، تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت کے لیے حاضر ہوئے۔آپؐ نے اجازت مرحمت فرمادی۔راستے میں ان لوگوں کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔انھوں نے ان کو ساری روداد سنائی۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ اونٹوں کے بعد پھر تمہاری بقا کا مسئلہ کیا ہوگا؟ پھر حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اونٹوں کے ختم ہونے کے بعد ان کی زندگی کا کیا ہوگا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں اعلان کرو کہ سب لوگ اپنا بچا ہوا توشہ لے کر حاضر

ہو جائیں۔ پھر چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا اور اسی پر پوری جماعت کا بچا کھچا کھانا رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے کھڑے ہو کر برکت کی دعا فرمائی، پھر لوگوں سے کہا کہ اپنے برتن لے کر آئیں اور جی بھر کر کھانا لے جائیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ جب سب لوگ فارغ ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں''۔ ۷

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ ساحل کی طرف روانہ فرمایا اور اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کو مقرر فرمایا۔ دستہ میں تین سو (۳۰۰) آدمی تھے، جن میں میں بھی تھا۔ راستے میں توشہ ختم ہو گیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام شرکائے سفر کو اپنے توشے ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا، چنانچہ تمام توشے یکجا کیے گئے تو صرف دو تھیلے ہوئے۔ ہم لوگوں کو اسی جمع شدہ پونجی سے بہت تھوڑا تھوڑا دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ہر آدمی کے حصے میں صرف ایک ایک چھوارہ آنے لگا......۔ ۸

یہ تینوں واقعات عہد نبوی کے ہیں۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ انفرادی خطرات کو اجتماعی تعاون کے ذریعہ دور یا کم کیا گیا اور خود نبی کریم ﷺ نے اس میں شرکت کی یا اس کی تحسین فرمائی، اس لیے کہ اگر اس طرح نہ کیا جاتا تو ممکن تھا کہ کئی لوگ ہلاک ہو جاتے یا ناقابل تلافی نقصان کا شکار ہوتے۔

یہ واقعات اس بات کی بھی عملی مثال ہیں کہ خطرات سے تحفظ کے لیے جو اجتماعی تعاون کی راہ اختیار کی جائے گی اس میں اصل ملکیت کے لحاظ سے گو افراد متفاوت ہوں گے، لیکن باہم اشتراک کے بعد ہر شخص مساوی درجہ کا استحقاق رکھے گا اور اس کو 'غرر' یا 'ربا' نہیں بلکہ تعاون قرار دیا جائے گا۔ یہ اجتماعی تکافل ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ افراد کے مصالح کو پروان چڑھایا جائے اور ان کے مضرات کو دور کیا جائے۔

اس مضمون کی سب سے بلیغ تعبیر اس حدیث پاک میں آئی ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضهٗ بعضاً۔ ۹	مومن، مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے، جس میں ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے۔

مستقبل کے لیے احتیاطی تدابیر

ہنگامی حالات سے بچنے اور مستقبل کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ یہاں اسباب سے بے نیاز ہوکر زندگی نہیں گذاری جاسکتی۔ اسی لیے اسلام نے اسباب کو اختیار کرنے کی ہدایت دی ہے اور ترک اسباب سے روکا ہے۔ ایک صاحب نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: کیا اللہ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اعقلها وتوكل[۱۰] اپنی اونٹنی کو باندھو، پھر توکل کرو۔

خود نبی کریم ﷺ عام حالات میں (معجزات اور خوارق عادات کا استثناء کرکے) اسباب کو اختیار فرماتے تھے۔ اگر اسباب سے بے نیاز ہوکر محض توکل کی قوت سے تمام مسائل کو حل کرنا ممکن ہوتا تو اسلام کی اشاعت کے لیے آپ کو سخت ترین مجاہدوں، دعوتی اسفار، دفاعی اقدامات اور جنگ وجہاد کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ آپؐ سے بڑھ کر کوئی صاحب توکل نہیں۔ آپ نے فاقے کیے، قرض لیے، دوا علاج کرایا، دوران سفر سواریاں استعمال فرمائیں، ہتھیار رکھے، تکلیفیں اٹھائیں وغیرہ۔ اگر اس دنیا میں اسباب کے بغیر بھی عادۃً کام ہوسکتا تھا تو آپؐ کو یہ تکلیفیں اٹھانے کی ضرورت نہ تھی، تمام کام محض دعا اور اشارۂ غیبی سے انجام پا جاتے۔ اس لیے سبب کے درجے میں آئندہ کے لیے احتیاطی تدابیر توکل وایمان کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی حکومت مصر کو بطور احتیاط مستقبل کی منصوبہ بندی کا جو مشورہ دیا گیا وہ اس باب میں بہترین نمونہ ہے۔ انھوں نے آنے والے قحط کے نقصانات سے بچنے کے لیے حکومت مصر کو مشورہ دیا تھا:

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَباً فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلاً مِّمَّا تَأْكُلُونَ. ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلاً مِّمَّا

انھوں نے فرمایا: تم سات سال تک جم کر کھیتی کرو، پھر جو پیداوار ہو اس کو اس کی بالیوں ہی میں چھوڑ دو، صرف تھوڑا سا کھانے کے بقدر نکال لو، پھر اس کے بعد شدید قحط کے سات سال آئیں گے، جو تمہارے سارے ذخیرے کو

تُحۡصِنُونَ. ثُمَّ يَأۡتِي مِن بَعۡدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعۡصِرُونَ.
(یوسف: ۴۷-۴۹)

ختم کردیں گے، صرف بیج کے بقدر جو تم نے بچا کر رکھا ہوگا وہ بچ جائے گا، پھر اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں خوب بارش ہوگی اور لوگ خوب فائدہ اٹھائیں گے۔

ایک نمونہ سنت نبوی میں ملتا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت سعد بن وقاصؓ بیمار تھے، اللہ کے رسول ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اس موقع پر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے پورے مال کی وصیت کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے عرض کیا: نصف کی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے عرض کیا: تہائی کی؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں، تہائی کی وصیت کردو اور یہ بہت زیادہ ہے۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

إنک أن تدع ورثتک أغنياء خير من أن تدعهم عالة يتكففون الناس في أيديهم .[۱۱]

تم اپنے ورثہ کو اچھی مالی حالت میں چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ کر جاؤ اور وہ اپنے کفاف کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوں۔

یہ وہ اساسی تصورات ہیں جن پر ایک بہتر اسلامی انشورنس (تکافل) کی تشکیل کی جاسکتی ہے، اور ان کی مدد سے عام لوگوں کو ہنگامی حالات میں آسانیاں فراہم کی جاسکتی ہیں۔

انشورنس کی چند ذیلی بنیادیں

اس ضمن میں بعض ذیلی مباحث کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ، جن سے اسلام کے نظامِ تکافل کی تشکیل میں مدد ملتی ہے۔ شریعت اسلامی میں کئی ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں شدید ترین حالات میں فرد کے نقصان کو جماعت پر تقسیم کیا گیا ہے، تاکہ ناقابل برداشت کو قابل برداشت میں تبدیل کیا جائے۔

عاقلہ کا نظام

اسلام میں قتل خطا اور شبہ عمد کی صورت میں دیت کو عاقلہ سے وابستہ کیا گیا ہے۔ صحیح

حدیث میں مروی ہے کہ:

أن رسول الله ﷺ قضیٰ دیة المرأة علیٰ عاقلتها ۱۲؎

رسول اللہ ﷺ نے عورت کی دیت کا ذمہ دار عاقلہ کو قرار دیا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قضیٰ رسول الله ﷺ أن العقل علیٰ عصبتها ۔۱۳؎

رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبہ (رشتہ دار) ادا کریں گے۔

عاقلہ کی حدود میں حنفیہ کے نزدیک خاندان کے علاوہ، ہم پیشہ، ہم فکر، ہم مسلک اور دیگر ہم رشتہ افراد بھی شامل ہیں۔۱۴؎

ظاہر ہے کہ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس طرح کے جرائم میں جن میں انسان پر اچانک بہت بڑا مالی تاوان عائد ہوجاتا ہے اور عام حالات میں اس کے لیے یہ ناقابل برداشت ہوتا ہے، اگر اسے پوری جماعت پر تقسیم کردیا جائے تو یہ قابل برداشت ہوجائے گا۔علامہ سرخسیؒ نے اس حکمت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وكل احد لايأمن علیٰ نفسه أن يبتلی بمثله، وعندذلک يحتاج إلیٰ إعانة غيره، فينبغی أن يعين من ابتلی ليعينهٗ غيرهٗ إذاابتلی بمثله، كماهو العادة بين الناس فی التعاون والتوادّ، فهذا هو صورة أمّة منتصرة وجبلة قوم قوّامين بالقسط شهداء لله متعاونين علی البرّ والتقویٰ. ۱۵؎

کوئی بھی انسان اس طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہوسکتا ہے اور ایسے ہی موقع پر دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔اس لیے چاہیے کہ اس طرح کی مصیبت میں دوسرے کی مدد کی جائے، تاکہ وقت آنے پر دوسرا بھی اس کی مدد کرے۔ تعاون کے معاملے میں لوگوں کی عادت یہی ہے ،اور مددگار امت کی تصویر اور انصاف قائم کرنے والی قوم کی جبلّت یہی ہے اور یہی شہداء للہ اور بر وتقویٰ کے علم برداروں کی شان ہے۔

عقدِ موالات

عقد موالات بھی بعض حالات میں دیت کی تقسیم اور ذمہ داریوں کی تخفیف کا سبب

بنتا ہے۔ بہت سے فقہاء اس کو سبب تسلیم نہیں کرتے، لیکن فقہاء حنفیہ کے یہاں اصل وارثین کے نہ ہونے کی صورت میں یہ وراثت ودیت کی فی الجملہ بنیاد بنتا ہے۔[۱۶]

ظاہر ہے کہ اس نظریہ کی اساس بھی اسی جذبۂ تعاون پر ہے، جس میں ایک اجنبی شخص کو بعض شرائط کے ساتھ محض معاہدہ کی وجہ سے شراکت مل جاتی ہے۔ یہ تصور قرآن کریم کی اس آیت پاک سے ماخوذ ہے:

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيْبَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْداً۔ (النساء:۳۳)

جن لوگوں نے تم سے عہد کیا ہے ان کو ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

آیت کریمہ میں 'نصیب' کی ایک تفسیر میراث سے کی گئی ہے۔[۱۷]

معروف کا التزام

فقہاء مالکیہ کے یہاں ایک جزئیہ ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معروف چیز کا التزام کرلے جو اس پر پہلے سے لازم نہیں تھی، مثلاً کسی کو صدقہ، ہبہ یا عاریت پر کوئی چیز فراہم کرنے کا عہد کرنا، کسی کی خدمت یا رہائش کے انتظام کا التزام کرنا، کسی کی کفالت یا ضمان قبول کرنا وغیرہ تو ان کے نزدیک التزام کی بنا پر وہ چیز اس کے ذمہ لازم ہوجاتی ہے، الّا یہ کہ وہ شخص ہی مرجائے، یا غربت وافلاس کا شکار ہوجائے۔ اس کی توجیہ امام مالکؒ نے یہ فرمائی ہے:

لان ذلک معروف والمعروف من أوجبهٗ علىٰ نفسهٖ لزمه.[۱۸]

اس لیے کہ یہ معروف ہے اور معروف کو جب انسان اپنے ذمہ لازم کرتا ہے تو وہ لازم ہوجاتا ہے۔

علامہ ابن رشدؒ نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

فهذا امر قد أوجبهٗ علىٰ نفسهٖ والمعروف علىٰ مذهب مالک وجميع اصحابهٖ لازم لمن أوجبهٗ علىٰ نفسهٖ مالم يمت أو يفلس[۱۹]

اس چیز کو اس نے اپنے ذمہ لازم کرلیا اور مذہب مالکی کے مطابق معروف کو جب آدمی اپنے ذمہ لازم کرلیتا ہے تو جب تک موت یا افلاس کا شکار نہ ہو، وہ چیز اس کے ذمہ لازم رہتی ہے۔

ظاہر ہے کہ التزام کی بنا پر جو ذمہ داریاں انسان پر عائد ہوتی ہیں ان میں سے دوسرے ایسے اشخاص کا تعاون بھی ہے جو اپنے طور پر ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔اس طرح فقہ مالکی کا یہ نظریہ ذمہ داریوں کی تقسیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مشروط ہبہ

اسلام میں زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ ہبہ کے ذریعہ بھی ضرورت مندوں کی امداد کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا فائدہ اخروی اجر وثواب کے علاوہ کبھی دنیا ہی میں لوٹنے والے فائدے کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔اسی لیے علماء میں یہ بات زیر بحث رہی ہے کہ اگر کوئی شخص ہبہ کے ساتھ اپنے فائدے کی کوئی شرط لگادے تو یہ مقتضائے عقد کے موافق ہوگا یا خلاف؟ امام شافعیؒ کے ایک قول کو چھوڑ کر جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہے اور اگر اس کا منشا پورا نہ ہو تو وہ ہبہ کو فسخ کرسکتا ہے۔گویا یہ ایک طرح سے تعاون کا تبادلہ ہے، جس کی ضرورت دنیا کی زندگی میں کسی کو بھی پڑسکتی ہے۔علامہ بابرتیؒ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

لان العادة الظاهرة أن الانسان يهدى إلىٰ من فوقهٗ ليصونهٗ بجاهه وإلى من دونه ليخدمهٗ والىٰ من يساويه ليعوضهٗ، وإذا تطرق الخلل فيما هو المقصود من العقد يتمكن العاقد من الفسخ كالمشترى إذا وجد بالمبيع عيباً فتثبت لهٗ ولاية الفسخ عند فوات المقصود إذ العقد يقبلهٗ .[۲۰]

اس لیے کہ عام رواج یہی ہے کہ انسان اپنے سے اوپر والے کو ہدیہ اس لیے دیتا ہے کہ اس کی عزت وعظمت کی وجہ سے اس کا تحفظ ہو اور اپنے سے نیچے والے کو اس لیے دیتا ہے کہ اس کی خدمت کرے، اور اپنے برابر والے کو اس لیے دیتا ہے کہ اسے اس کا بدلہ ملے۔لیکن جب مقصد میں خلل پیدا ہوجائے تو عاقد کو فسخ عقد کا اختیار حاصل ہوگا، جس طرح کہ مشتری کو اگر صحیح سالم سامان نہ ملے تو اسے بیع کے فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے، اس لیے کہ عقد میں اس کی گنجائش موجود ہے۔

اس کا مأخذ دراصل ایک حدیث پاک ہے:

الرجل احقّ بھبتہٖ مالم یثب منھا[۲۱] انسان اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اس کا معاوضہ نہ لے۔

اس مضمون کی متعدد روایات کتب حدیث، مثلاً ابن ماجہ (۳۱۰/۷) مصنف ابن ابی شیبۃ (۴۷۴/۶)، مستدرک حاکم (۵۲/۲) اور سنن بیہقی (۱۸۱/۶) میں آئی ہیں۔

ان روایات سے تعاون برائے تعاون کا نظریہ اخذ کیا گیا ہے، جو اسلامی انشورنس کے لیے بنیاد بن سکتا ہے۔

عمریٰ ورقبیٰ

عمریٰ بھی ہبہ ہی کی ایک قسم ہے، مگر اس میں عمر بھر کی قید لگی ہوتی ہے۔ دینے والا اس طرح دیتا ہے کہ مثال کے طور پر میرا یہ گھر تا حیات تیرے لیے ہے، کبھی یہ شرط بھی لگادی جاتی ہے کہ تیرے مرنے کے بعد یہ جائداد واپس میری ہوگی۔ اس طرح کے مشروط ہبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ جمہور علماء اس طرح کے مشروط معاملے کو درست نہیں سمجھتے۔ حنفیہ شرط کو باطل کہتے ہیں[۲۲] شافعیہ عقد ہی کو ناجائز کہتے ہیں۔[۲۳] مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کا مشروط معاملہ درست ہے اور ہبہ پر دی ہوئی چیز اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے قدیم مالک کو لوٹ جائے گی۔[۲۴] حنابلہ حنفیہ کے ہم خیال ہیں اور ایک روایت مالکیہ کے مطابق بھی ہے۔[۲۵]

اسی سے ملتی جلتی صورت رقبیٰ کی ہے، جس کا تذکرہ قدیم کتب فقہ میں ملتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ہبہ کرنے والا اس طرح کہتا کہ یہ چیز تیرے لیے ہے۔ اگر تو پہلے مرگیا تو یہ چیز میری ہوگی اور اگر پہلے میں مرگیا تو یہ تیری ہی رہے گی۔ اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ عام طور پر حنفیہ اس طرح کے عقد کو سرے سے باطل قرار دیتے ہیں، جب کہ دوسرے فقہاء اس کو درست کہتے ہیں اور شرط کے مطابق سامان ہبہ کرنے والے کو واپس لوٹانے کے قائل ہیں۔

ہبہ میں قبضہ کی اہمیت

ہبہ کے ذیل میں ایک بحث یہ آتی ہے کہ کیا ہبہ محض عقد سے مکمل ہو جاتا ہے یا اس کے لیے قبضہ بھی ضروری ہے۔ جمہور فقہاء قبضہ کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس کے بغیر ہبہ کی کارروائی کو مکمل نہیں کہتے، جب کہ امام مالکؒ قبضہ کی شرط نہیں لگاتے ہیں، نہ اس کی صحت کے لیے اور نہ اس کی تکمیل کے لیے۔ ان کے نزدیک محض قبول کر لینا ہبہ کے لازم ہونے کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے اس کو بیع پر قیاس کیا ہے۔[26] حنابلہ کے یہاں تھوڑی تفصیل ہے۔ وہ ناپ تول کی چیزوں میں قبضہ کو ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ دیگر چیزوں میں ہبہ کے لازم ہونے کے لیے محض عقد کو کافی کہتے ہیں۔[27] یہ دراصل دونوں رجحانات کو جمع کرنے کی کوشش ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ عقد تبرع ہے۔ اگر قبضہ کے بغیر ہی یہ لازم اور واجب الاداء ہو جائے تو یہ عقد تبرع کے بجائے عقد ضمان ہو جائے گا، جو کہ خلاف مفروض ہے، نیز اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سے جو آثار منقول ہیں ان سے عام طور پر صحابہ کا موقف یہی نظر آتا ہے کہ قبضہ کے بغیر ہبہ مکمل نہیں ہوتا۔[28]

اگر اس کے ساتھ معاوضہ کی شرط لگ جائے تو بھی فی الجملہ اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی اور اس کے لزوم کے لیے قبضہ کی شرط برقرار رہتی ہے، البتہ معاوضہ کی قید آ جانے کی بنا پر بیع سے تھوڑی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ مناسب معاوضہ نہ ملنے کی صورت میں ہبہ کرنے والا اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

من وهب هبة يرى أنه إنما أراد بها الثواب فهو علىٰ هبته يُرجع فيها إذا لم يرض منها.[29]	جو شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے جس کا مقصد معاوضہ لینا ہو اور معاملہ اس کی مرضی کے مطابق نہ ہو تو وہ اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

اسلام کے نظامِ تکافل کا اجمالی خاکہ

مذکورہ بالا اصول ونظریات کی روشنی میں ایک ایسا نظامِ تکافل مرتب کیا جا سکتا ہے، جو تعاون اور تبرع کے جذبہ پر مبنی ہو، مالی بنیادوں پر مستحکم اور خود کفیل ہو، ربا، قمار، مکر وفریب اور

ظلم وعدوان کے فاسد عناصر سے پاک ہو اور جو اپنے شرکاء کی امیدوں کے لیے موجودہ مروجہ انشورنس کمپنیوں سے کسی طرح کم نہ ہو۔

اس سلسلے میں پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ نظام یا معاملہ قرآن وحدیث یا خیرالقرون میں صراحۃً موجود ہو، بلکہ صرف اس قدر کافی ہے کہ معاملہ کی صورت قرآن وحدیث اور شریعت اسلامیہ کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو، مقاصد شریعت کے خلاف نہ ہو، شرعی مفاسد سے پاک ہو اور عام لوگوں کے لیے مفید ہو۔ جمہور فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اشیاء (عبادات کو چھوڑ کر) میں اصل اباحت ہے۔[۳۰] اکثر حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ میں ابوالفرج عمرو بن محمد اللیثی البغدادی المالکی کی یہی رائے ہے۔[۳۱]

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی معاملے کی شرائط فریقین میں باہم رضامندی سے طے پا جائیں اور بنیادی طور پر اس میں کوئی چیز خلاف شرع نہ ہو اور ان کی غرض بھی درست ہو تو وہ معاملہ درست ہوگا اور اس میں طے شدہ شرائط کی پابندی تمام فریقوں پر لازم ہوگی، اس لیے کہ اسلام میں عہد کی پابندی اور معاملات کی شفافیت کی بڑی تاکید آئی ہے۔ (المائدۃ:۱، الاسراء:۳۴)

حضرت عمرو بن عوف مزنیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلمون عند شروطهم إلا شرطاً حرّم حلالاً او احلّ حراماً[۳۲]

مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال بنائے۔

اس طرح کسی ایسے معاملے میں جو فریقین یا چند افراد کے درمیان طے پائے اور اس کی مقررہ شرائط شریعت کے خلاف نہ ہوں تو ان کی رعایت ضروری ہوگی۔ کوئی مباح چیز جب عقد کے دائرے میں آجاتی ہے تو وہ لازم ہوجاتی ہے۔

اسلامی انشورنس کے بنیادی نکات

مذکورہ بالا اصول وقواعد کی روشنی میں ایک ایسے تکافلی نظام کا خاکہ تیار ہوسکتا ہے، جس کو اسلامی انشورنس کہا جاسکتا ہے۔ اس کے درج ذیل نکات ہوسکتے ہیں:

شرعی بورڈ کا قیام

ایک ایسی مالیاتی کمپنی بنائی جائے جس میں کوئی شرط یا معاملہ خلاف شریعت نہ ہو اور اس کا جمع شدہ سرمایہ ایسے بینکوں میں نہ رکھا جائے جہاں سودی یا غیر شرعی کاروبار ہوتا ہو، اگرچہ وہ معاملہ بالکل جدید نوعیت کا ہو اور پچھلے زمانے میں اس طرح کا کوئی معاملہ پیش نہ آیا ہو۔

اس کے لیے مناسب ہے کہ کوئی شرعی نگراں بورڈ قائم کیا جائے جو کمپنی کے جملہ معاملات کی کڑی نگرانی رکھے اور اس کا فیصلہ ہر حال میں قابل قبول اور واجب التنفیذ ہو۔

عقدِ تبرّع

کمپنی کے فارم میں یہ صراحت کی جائے کہ یہ عقد تبرّع ہے اور میں یہ سرمایہ بطور تبرّع جمع کر رہا ہوں، اس کا مقصد مصیبت و پریشانی کے وقت پریشان حال ممبروں کا تعاون کرنا ہے، خواہ اس کی نوبت خود مجھے پیش آئے یا کسی دوسرے ممبر کو، البتہ جمع شدہ سرمایہ کو منجمد رکھنے کے بجائے اس کو کسی جائز نفع بخش تجارت میں لگایا جائے اور اس کے منافع سے کمپنی کے انتظامی امور انجام دیئے جائیں، اور باقی ماندہ منافع ممبران پر ان کے سرمایہ کے تناسب سے تقسیم کر دیے جائیں۔

عقدِ معاوضہ اور عقدِ تبرّع میں فرق

دراصل عقد معاوضہ اور عقد تبرّع دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عقد معاوضہ نتیجہ کے اعتبار سے عقد ضمان بنتا ہے اور اس میں معاملات کی تمام شقوں کی مکمل وضاحت ضروری ہوتی ہے۔ اگر اس میں کوئی بھی بنیادی شق مجہول رہ جائے جس سے کہ نزاع کا اندیشہ ہو تو سرے سے وہ معاملہ ہی فاسد ہو جائے گا۔ اس کے بالمقابل عقد تبرّع میں بڑی وسعت ہے۔ یہ یک طرفہ معاملہ ہوتا ہے اور اس کی بنیاد ایثار و تعاون کے جذبہ پر ہوتی ہے، جس میں کسی سے کسی کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا، اسی لیے کسی بات کے غیر واضح رہ جانے کی صورت میں عموماً کسی نزاع کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

عقد معاوضہ کا مزاج قرآن کریم کی اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے مال ناجائز
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَارَةً	طور پر مت کھاؤ، مگر یہ کہ تجارت کے طور پر ہو
عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ۔ (النساء:۲۹)	اور باہمی رضامندی سے ہو۔

یعنی معاملے کی تمام شقیں روشنی میں آئیں اور باہم رضامندی سے ان کو طے کیا جائے۔ اگر کوئی بات بھی کسی ایک فریق پر غیر واضح رہ جاتی ہے تو اس کی رضامندی بھی مشتبہ ہوجاتی ہے۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے بیع کی ان صورتوں سے منع فرمایا جن میں معاملہ کی بنیادی شق مجہول اور قابل نزاع ہوتی تھی اور عہد جاہلیت میں ان کا رواج تھا، مثلاً بیع حصاۃ، بیع غرر، بیع ملامسۃ، بیع منابذۃ، بیع حبل الحبلۃ اور بیع مجہول وغیرہ۔[۳۳]

عقد تبرع کی مثال میں ہبہ، صدقہ، ابراء، خلع اور صلح وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

علامہ قرافیؒ نے دونوں طرح کے معاملات کے اس فرق پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے ایک عنوان قائم کیا ہے: **الفرق الرابع والعشرون بین قاعدة ماتؤثر فيه الجهالات والغرر وقاعدة مالايؤثر فيه ذلک من التصرفات** اور اس کے تحت دونوں طرح کے معاملات کی مثالیں دے کر واضح کیا ہے کہ کن معاملات میں ناواقفیت مؤثر ہوتی ہے اور کن میں نہیں؟ انہوں نے معاملات وتصرفات کی تین قسمیں کی ہیں: (۱) خالص عقدِ معاوضہ جیسے بیع وشراء وغیرہ (۲) خالص عقدِ احسان جیسے ہبہ، صدقہ وغیرہ (۳) دونوں کے بین بین معاملات، جیسے عقد نکاح۔ خالص عقدِ معاوضہ جہالت وغرر کی بنا پر فاسد ہوجاتا ہے۔ خالص عقدِ احسان پر جہالت سے فرق نہیں پڑتا اور درمیانی عقد میں غررِ قلیل اثر انداز نہیں ہوتا، لیکن غرر کثیر مؤثر ہوتا ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہبہ وغیرہ میں بھی غرر وجہالت نقصان دہ ہے۔[۳۴]

انشورنس کمپنی اگر تبرّع وایثار کی بنیاد پر لوگوں سے سرمایہ جمع کرنے کی اپیل کرتی ہے اور آفات وبلیّات کے مواقع پر اپنے شرکاء کا مالی تعاون کرتی ہے تو یہ معاملہ عقدِ احسان کے زمرے میں داخل ہوگا اور فی الجملہ اس میں غرر وجہالت کی گنجائش ہوگی اور یہ اس نہد

(مشترک خرچ برداشت کرنا) کی نظیر بن جائے گی جس کی تحسین خود سرکار دوعالم ﷺ نے فرمائی ہے اور جس کے بارے میں امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا تھا۔[۳۵]

اس طرح تبرّع کی بنیاد پر قائم ہونے والے اسلامی انشورنس میں اگر نقصانات یا منافع کی شرح یقینی طور پر معلوم نہ ہو اور فی الجملہ اس میں غرر و جہالت کا امکان موجود ہو تب بھی شرعی طور پر یہ معاملہ فاسد نہیں ہوگا اور اس پر قمار، ظلم یا اکل حرام کا اطلاق نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ عقدِ معاوضہ نہیں، بلکہ عقد تبرع قرار پائے گا۔

علاوہ ازیں عقود و معاملات میں صرف وہ جہالت مفسدِ عقد بنتی ہے جو باعثِ نزاع ہو، ہر جہالت نہیں۔ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔ علامہ فخرالدین زیلعی نے ایک مالی معاملے میں جہالت کو غیر مؤثر بتاتے ہوئے اصولی بات لکھی ہے:

لان هذهٖ الجهالة لاتفضى إلى المنازعة وهى المانعة لامجرد الجهالة[۳۶]	اس لیے کہ یہ جہالت باعثِ نزاع نہیں ہے اور یہی (نزاع والی جہالت) مانعِ عقد بنتی ہے مطلق جہالت نہیں۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

أن الجهالة لاتمنع جواز العقد لعينها بل لافضائها إلىٰ المنازعة.[۳۷]

اس طرح کی عبارتیں الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ البحر الرائق (۱۵/ ۱۴۶)، المحیط البرہانی (۱۸۴/۱۴)، المبسوط للسرخسی (باب مکاتبۃ ام الولد، ۲۰۶/۹)، فتح القدیر (کتاب العاریۃ ، ۴۲۳/۱۹)، دررالحکام شرح غررالاحکام لملا خسرو (باب ماینعقد بہ البیع، ۱۶۰/۶)، حاشیۃ ابن عابدین (باب الشہادۃ علی الشہادۃ، ۲۲۳/۷) وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

ظاہر ہے جس عقد کی بنیاد تبرع پر ہو اس میں فی الجملہ عموماً جہالت باعثِ نزاع نہیں بنتی، اس لیے وہ مفسدِ عقد بھی نہیں بنے گی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اسلامی انشورنس کے عقدِ تبرّع ہونے پر ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں جمع شدہ اقساط کے مقابلے میں کمپنی بوقت مصیبت معاوضہ ادا کرتی ہے۔ پھر یہ عقد تبرع کہاں ہوا؟ لیکن یہ شبہ محض سطحی ہے، شریعت اسلامیہ میں متعدد ایسے عقود ہیں جو اصلاً تبرع کے لیے ہونے کے باوجود معاوضہ کے معنیٰ کی گنجائش رکھتے ہیں۔ مثلاً ہبہ اصلاً ایک تبرّع ہے، لیکن اگر کوئی عوض کی شرط لگائے یا امید رکھے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے۔ نہد، جس کا رواج قرون اولیٰ میں تھا، وہ بھی دراصل تبرع کا اجتماعی تبادلہ ہے۔ قرض خالص تبرّع ہے، لیکن اس میں بھی معاوضہ کا معنیٰ لایا جا سکتا ہے، مثلاً کوئی شخص اس شرط پر قرض دے کہ دوسرا شخص بھی اسے قرض دے، تو بعض فقہاء کے یہاں اس کی گنجائش نظر آتی ہے۔ فقہائے حنابلہ میں علامہ علاء الدین مرداوی دمشقی رقمطراز ہیں:

ویجوز قرض المنافع مثل أن یحصد معهٔ یوماً ویحصد معهٔ الآخر یوماً أو یسکنهٔ داراً لیسکنهٔ الآخر بدلها. ۳۸

منافع کا قرض جائز ہے، مثلاً ایک دن وہ اس کے ساتھ کٹائی کرے اور دوسرے دن دوسرا اس کے ساتھ کٹائی کرے، یا کسی کو اپنے گھر میں رہائش دے، تاکہ وہ بھی اسے اپنے گھر میں رہائش دے۔

قتل خطا یا قتل شبہ عمد میں دیت عاقلہ کے ذمہ عائد کی گئی ہے۔ یہ اصلاً قاتل کا عاقلہ کی طرف سے تعاون ہے، لیکن اس میں بھی معاوضہ کا معنیٰ موجود ہے، اس لیے کہ یہ نظام اسی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ آئندہ اگر عاقلہ میں سے کسی دوسرے شخص کو ایسی نوبت آئے تو یہ قاتل بھی اس میں مالی تعاون کرے گا۔ یہ تبرع کے بدلے تبرع ہے، وغیرہ۔

انشورنس کمپنی سرمایہ کی مالک نہیں

انشورنس کمپنی جمع شدہ سرمایے کی مالک نہیں، بلکہ انتظامی معاملات میں جملہ شرکاء کی طرف سے وکیل ہوگی اور وکیل ہی کی حیثیت سے انتظامی اور ترقیاتی امور انجام دے گی اور نفع ونقصان میں سرمایہ کے تناسب سے تمام شرکاء برابر کے شریک ہوں گے۔ نفع ہوگا تو صرف

کمپنی کا نہیں اور خسارہ بھی ہوگا تو صرف کمپنی کا نہیں۔ البتہ کمپنی اس کام پر ممبران سے مناسب شرح پر اجرت وصول کرسکتی ہے اور بلا اجرت بھی کام کرسکتی ہے۔ بلا اجرت کام کرنے کی صورت میں کمپنی کے انتظامی اخراجات کاروبار میں لگے سرمایہ سے وصول کیے جائیں گے۔ موجودہ معلومات کے مطابق تکافل پر مبنی کمپنیاں دونوں طرح سے کام کررہی ہیں۔ مثلاً اردن کی کمپنی شرکۃ التامین الاسلامیۃ الاردنیۃ اجرت پر انتظامی کام انجام دیتی ہے، جبکہ قطر کی کمپنی الشرکۃ الاسلامیۃ القطریۃ انتظامی کام پر کوئی اجرت نہیں لیتی۔

وکالت پر اجرت

شریعتِ اسلامی میں وکالت پر اجرت لینے کی گنجائش ہے۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

وشركة الاعمال جائزة بلاخلاف بين أصحابنا، لانّ مبناها على الوكالة والوكالة علىٰ هذا الوجه جائزة بأن يوكل خياط أوقصار وكيلاً يتقبل له عمل الخياطة والقصارة، وكذايجوز لكل صانع يعمل بأجر أن يوكل وكيلاً يتقبل العمل. ۳۹

اعمال میں شرکت بالاتفاق جائز ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد وکالت پر ہے اور وکالت اس طریق پر جائز ہے کہ کسی درزی یا دھوبی کو وکیل بنایا جائے جو دھوبی یا درزی کے عمل کو قبول کرے۔ یہی حکم ہر صنعت کا رکا ہے جو اجرت پر کام کرتا ہو۔ اس کو ایسے عمل کا وکیل بنایا جاسکتا ہے جس کو وہ قبول کرلے۔

علاوہ ازیں عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے باقاعدہ عمال مقرر تھے اور اس پران کو اجرت بھی ملتی تھی، مثلاً طبقات ابن سعد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ وصول کرنے کے لیے چند افراد عرب کے مختلف علاقوں میں ۹ھ میں روانہ فرمائے۔ ۴۰ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ابومسعودؓ کو مقرر فرمایا۔ ۴۱ مسند احمد میں ابوجہم بن حذیفہؓ، عقبہ بن عامرؓ، ضحاک بن قیسؓ کے اسماء گرامی ملتے ہیں۔ ۴۲ مستدرک حاکم میں حضرت قیس بن سعدؓ اور حضرت ولید بن عقبہؓ (قبیلہ بنی مصطلق کی طرف) کے نام ہیں۔ ۴۳ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں بھی اس کام کے لیے افراد مقرر تھے۔ بعض روایتوں میں ابن اللتبیہ الازدی، ابن السعدی وغیرہ ناموں کی تصریح بھی ملتی ہے۔ ۴۴

سرمایہ پر کمپنی کا قبضہ، قبضۂ ضمان ہے

اس صورت میں، جب کہ کمپنی اجرت پر کام انجام دے، سرمایہ پر کمپنی کا قبضہ، قبضۂ ضمان قرار پائے گا اور کسی طرح کی کوتاہی یا لاپرواہی ثابت ہونے پر کمپنی ضامن ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

وعلیٰ ھذا سائر الوکالات، والبیّاع والسمسار یجبران علی التقاضی لانھما یعملان باجرۃ عادۃً۔ [۴۵]

وکالت کی تمام صورتوں کا یہی حکم ہے ،خرید وفروخت کرانے والے اور دلال کو ادائی پر مجبور کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ عموماً اجرت پر کام کرتے ہیں۔

کمپنی کی اجازت کے بغیر فسخِ عقد کی اجازت نہیں

دوسری طرف عقدِ وکالت اصولی طور پر اگر چہ عقد جائز ہے، لازم نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود عقد وکالت مکمل ہوجانے کے بعد ممبران (موکلین) کواجازت نہ ہوگی کہ کمپنی (وکیل) سے اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر یک طرفہ طور پر علٰحدگی اختیار کریں اور طے شدہ معاملہ کو منسوخ کریں اس کے کئی اسباب ہیں:

(۱) اس سے دوسرے کا حق متعلق ہو چکا ہے اور فسخِ عقد میں غرر اور ضرر دونوں کا اندیشہ ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔ حدیث میں ہے:

لاضرر ولاضرار [۴۶] نہ نقصان اٹھاؤ نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔

جمہور حنفیہ ومالکیہ کی رائے یہی ہے اور امام شافعیؒ واحمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔[۴۷]

(۲) اگر اس معاملہ کو وعدۂ ملزمہ یا ہبہ بالعوض پر قیاس کیا جائے تو بھی اس کو طرفین کی رضامندی کے بغیر ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ ان صورتوں میں نتیجہ کے لحاظ سے یہ عقد معاوضہ بن جاتا ہے۔[۴۸]

(۳) اگر مالکیہ کے نقطۂ نظر سے التزام بالتبرع پر انشورنس کے مسئلے کو قیاس کیا جائے تو بھی تبرع واحسان کے التزام کے بعد اس سے مکرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

بچی ہوئی آمدنی ممبران کی ملک ہوگی

چونکہ یہ مکمل سرمایہ پالیسی خریدنے والوں کا ہوگا، کمپنی اس کی مالک نہیں، بلکہ صرف وکیل ہوگی، اس لیے نفع ونقصان میں تمام ممبران شریک ہوں گے اور انتظامی اخراجات اور آفات ونقصانات میں حسب شرائط معاوضات کی ادائیگی کے بعد بچا ہوا سرمایہ ممبران کو ان کے سرمایہ کے تناسب سے واپس کیا جائے گا اور اس کے بعد بھی اگر کچھ رہ جائے تو جملہ شرکاء کی اجازت سے اس کو کسی کارِ خیر میں لگایا جاسکتا ہے، یا اس کو ریزرو کوٹے میں رکھا جائے جو کبھی ہنگامی صورت میں کام آئے۔ اس کو عربی میں احتیاطی کہا جاتا ہے۔

سرمایہ کاری شرعی مضاربت کے اصول پر کی جائے

جمع شدہ سرمایہ کو مضاربت کے شرعی ضوابط کے مطابق جو کتب فقہ میں معروف ہیں، کاروبار میں لگایا جائے۔ اس میں کمپنی کی حیثیت مضارب کی اور پالیسی ہولڈرز کی حیثیت ربّ المال کی ہوگی اور مقررہ شرائط کے ساتھ مقررہ تناسب پر منافع کی تقسیم عمل میں آئے گی، جس میں کسی طرح کی خیانت، لاپروائی یا غرروضرر کا معاملہ روا ہوگا۔

اس تناظر میں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ سرمایہ کو سرمایہ کاری کے لیے دینا اگرچہ ایک اختیاری عمل ہے، لیکن معاملہ شروع ہوجانے کے بعد یہ اختیاری نہیں رہتا۔ فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ عقد ملزم بن جاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جواز فسخ کے لیے دوسرے فریق کی رضامندی شرط ہے، اس لیے کہ اس سے دوسرے کا حق متعلق ہوجاتا ہے اور دوسرے کو اس سے ضرر پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ سرمایہ نقد کی صورت میں موجود ہو، اگر وہ سامان وعروض میں تبدیل ہوجائے تو بھی مضاربت کو ختم کرنا ممکن نہ ہوگا۔[۴۹] شافعیہ اور حنابلہ اس معاملے میں بہت نرم ہیں۔[۵۰]

اقساط ومعاوضات میں یکسانیت ضروری نہیں

اسلامی انشورنس کا یہ طریقہ چوں کہ عربوں کے طریقۂ نہد سے قریب ہے، جس کی سرکار دوعالم ﷺ نے تحسین فرمائی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اقساط ومعاوضات کی ادائی میں تناسب و

یکسانیت ضروری نہ ہو، اس لیے کہ اس کی بنیاد اصلاً معاوضہ پر نہیں، بلکہ تبرع واحسان پر ہے، اس لیے اس میں توسع کی گنجائش ہے اور اس کو نہ غرر کہا جائے گا، نہ ضرر، نہ ظلم وعدوان، نہ ربا، نہ قمار۔

شرکت کے اکثر معاملات میں اس قدر فرق و امتیاز رکھنا عموماً آسان نہیں ہوتا، اخراجات اور جدو جہد میں تمام شرکاء کا برابر حصہ نہیں ہوتا، جو ایک واضح حقیقت ہے، مگر اس کے باجود شریعت مطہرہ نے معاملات میں شرکت کی اجازت دی ہے۔اس کی علت بھی تعاون باہم ہی ہے، اس لیے کہ کئی ایسے معاملات ہیں جن کو تنہا ایک شخص انجام نہیں دے سکتا، ان میں کئی افراد کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔

حسابات میں شفافیت

حسابات کا شفاف نظام رکھا جائے ،جس میں کم از کم دو حسابات بنیادی ہیں: ایک میں کمپنی میں سرمایہ جمع کرنے اور آفات کے وقت معاوضات کی ادائی کی مکمل تفصیلات ہوں اور دوسرے میں سرمایہ کاری اور تقسیم منافع کی تفصیلات ہوں۔ ان دونوں حسابات کے علاوہ اور بھی ضمنی حسابات کی ضرورت ہو تو وہ بھی پوری امانت داری کے ساتھ تیار کیے جائیں۔ اگر کسی مد میں وقتی طور پر سرمایہ کی کمی ہو تو دوسرے مد سے قرض لیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ لین دین کا سارا حساب شفافیت کے ساتھ رکھا جائے۔

معاملات ومسائل میں حقیقی اشتراک

نفع ونقصان اور ذمہ داری واستحقاق دونوں چیزوں میں کمپنی انتظامیہ اور سرمایہ جمع کرنے والے ممبران کا مکمل اور حقیقی اشتراک ہونا چاہئے۔ حالات کے تغیرات اور عالمی قدروں کی تبدیلیوں کی بنا پر جو مسائل پیدا ہوں ان کا مقابلہ بھی سب کو مساوی طور پر کرنا ہے، کوئی ذمہ داری کسی فریق پر یک طرفہ عائد نہیں ہوگی۔

بہتر یہ ہے کہ کمپنی کے بنیادی مسائل میں ممبران کی بھی نمائندگی ہو، بایں طور کہ سرمایہ کے تناسب سے چند افراد کو منتخب کرلیا جائے، جو کمپنی کی انتظامی کمیٹی کا تعاون کریں۔اس سے دونوں طرف اعتماد بحال رہے گا اور کمپنی کا نظام استحکام کے ساتھ جاری رہے گا۔

ریز روفنڈ

دنیا میں موجود نظامِ تکافل پر مبنی بعض کمپنیوں میں ریز روفنڈ کا سسٹم رائج ہے، جس کو عربی میں احتیاطی کہا جاتا ہے۔ یہ ہنگامی حالات میں کمپنی کو مالی بحران اور دیوالیہ پن سے بچانے کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس سسٹم کی افادیت کا جائزہ لیتے ہوئے اس سے استفادہ کیا جانا چاہئے۔

قانونی ماہرین کی ایک ٹیم

کسی بھی مالی ادارے کو عام طور پر بعض خطرات سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے۔ مثلاً قدرتی آفات، سیلاب ،طوفان اورزلزلہ وغیرہ ،جدید صنعتی خطرات الیکٹرک یا الیکٹرانک مسائل، ابلاغ وترسیل کے جدید وسائل کا بحران وغیرہ ،ارضی یا فضائی درجۂ حرارت کے اتار چڑھاؤ سے پیدا شدہ ہنگامی صورت حال ،کمپنی کے بیرون یا اندرون میں خیانت وبدعملی کی سازشیں ،دوسری غیر اسلامی انشورنس کمپنیوں کے مقابلہ جاتی چیلنجز،اسلامی انشورنش کمپنیوں کے مضبوط پس منظر کا فقدان ،حساب کتاب کی عدم شفافیت، انتظامی معاملات یا سرمایہ کاری میں صحیح شرعی خطوط سے انحراف اورسود پر چلنے والے بینکوں سے مالی تعاون ،عالمی یاوقتی قانونی رکاوٹیں ،نفع ونقصان میں اعدادوشمار کا بحران وغیرہ۔ان پر نگاہ رکھنے اور مشکلات کا حل نکالنے کے لیے ماہرین کی ایک ٹیم ہونی چاہئے، جو اس محاذ پر کمپنی کوتعاون دے سکے۔

یہ چند بنیادی خطوط ہیں، جن پر اسلامی انشورنس کمپنی کی تاسیس عمل میں آئے تو یہ ایک مبارک اور جائز قدم ہوگا۔ عالم اسلام کے متعدد علمی وفقہی اداروں (مثلاً ہیئۃ کبار العلماء، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ وغیرہ) نے تجارتی انشورنس کے مقابلے میں مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ تعاونی انشورنس کی اجازت دی ہے اوراس قسم کی کمپنی کی سفارش کی ہے، مگرایسانہ ہوکہ صرف نام اسلامی رکھ لیا جائے اور اس کو دوسرے غیراسلامی اداروں کی طرح شریعت کے تقاضوں سے قطع نظر محض سرمایہ اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنالیا جائے۔ اگرایسا ہوا تو یہ عام تجارتی کمپنیوں سے بھی زیادہ خطرناک اورگم راہ کن ہوگا۔ بعض عرب محققین نے ایسی کئی کمپنیوں کی

نشان دہی کی ہے، جو اسلام یا تعاون کا لیبل لگا کر اسی طریق کار پر عمل پیرا ہیں جو غیر اسلامی انشورنس کمپنیوں کا ہے، اس لیے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مسلم ملکوں میں اس قسم کے متعدد تجربات شروع ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان جیسے غیر مسلم ملکوں میں بھی اس کی طرف پیش رفت کی جائے اور قانونی ماہرین سے مشورہ کر کے کوئی مناسب اور متبادل لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔

حواشی و مراجع

۱۔ مقدمہ ابن خلدون، دار الشعب، ص ۳۵۵

۲۔ رد المحتار، ۴/۱۷۰

۳۔ صحیح مسلم، باب کراء الارض، حدیث نمبر ۳۹۹۹

۴۔ صحیح مسلم، باب استحباب المواساۃ بفضول المال، حدیث نمبر ۳۲۵۸

۵۔ سیرت ابن ہشام ۱/۵۰۱، الروض الانف للسہیلی ۲/۳۴۵، عیون الاثر لابن سید الناس ۱/۲۶۰، النہایۃ فی غریب الاثر لابن محمد الجزری ۳/۵۳۴

۶۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب القناعۃ، حدیث نمبر ۴۱۴۱

۷۔ صحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام والنہد والعروض، حدیث نمبر ۲۴۲۲

۷۔ صحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، حدیث نمبر ۲۴۲۰

۸۔ صحیح البخاری، حوالۂ بالا

۹۔ صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب تشبیک الاصابع فی المسجد، حدیث نمبر ۴۸۱

۱۰۔ شعب الایمان للبیہقی، بیروت، ۲/۸۰

۱۱۔ صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب ان یترک ورثتہ أغنیاء، حدیث نمبر ۲۷۴۲

۱۲۔ صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب جنین المرأۃ وأن العقل علی الوالد، حدیث نمبر ۶۹۱۰، مسلم، باب الجنین، حدیث نمبر ۱۶۸۱

۱۳۔ صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب میراث المرأۃ والزوج مع الولد، حدیث نمبر ۶۷۴۰

۱۴۔ المبسوط، ۳۰/۳۱۰، کتاب المعاقل، بدایۃ المجتہد، ۲/۴۴۹

۱۵۔ المبسوط للسرخسی، ۳۰/۳۰۵

۱۶۔ حاشیۃ ابن عابدین، ۵/ ۷۸

۱۷۔ احکام القرآن للجصاص، ۲/ ۱۸۵

۱۸۔ التاج والاکلیل للعبدری الشہیر بالمواق، الحمالۃ بالکتابۃ ۸/ ۱۷۰، نقلاً عن المدونۃ کتاب الحمالۃ، تہذیب المدونۃ للقیروانی البرذاعی، ۳/ ۲۶۵

۱۹۔ البیان والتحصیل والشرح والتوجیہ والتعلیل لابی الولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی، طبع بیروت، ۸/ ۴۳

۲۰۔ عنایۃ شرح الھدایۃ، طبع مصطفیٰ الحلبی، ۹/ ۴۰

۲۱۔ سنن دار قطنی، طبع وزارت اوقاف مصر، ۷/ ۷۷، حدیث نمبر ۳۰۱۴

۲۲۔ ہدایہ مع شرح العنایہ، ۹/ ۵۵

۲۳۔ روضۃ الطالبین للنووی، ۵/ ۳۷۰

۲۴۔ المدونۃ الکبریٰ، طبع دار الباز، ۶/ ۹۱

۲۵۔ المغنی لابن قدامۃ، ۵/ ۶۸۸

۲۶۔ بدایۃ المجتہد، طبع دار الجیل بیروت، ۲/ ۳۳۱

۲۷۔ المغنی، طبع الریاض، ۵/ ۶۵۳

۲۸۔ بدائع الصنائع، ۱۳/ ۳۰۶، فصل فی شرائط رکن الھبۃ

۲۹۔ موطا امام مالک، ۴/ ۱۰۹۲، طبع مؤسسۃ زائد بن سلطان، سنن بیہقی، باب المکافاۃ فی الھبۃ، ۳۰/ ۴۳۵، طبع وزارۃ الاوقاف مصر، شرح مشکل الآثار للطحاویؒ، ۱۳/ ۳۲، طبع مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

۳۰۔ ارشاد الفحول للشوکانی، ص ۲۸۴، الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیۃ، ص ۱۲۹،

۳۱۔ تیسیر التحریر لمحمد امین امیر بادشاہ، ۲/ ۱۶۸، الاشباہ والنظائر للسیوطیؒ، ص ۶۰، التمہید للاسنویؒ، ۴/ ۲۷۱، شرح الکوکب المنیر لابن النجار، ۱/ ۳۲۵، ۳۲۶، إحکام الفصول، ص ۶۸۱، بحوالہ القواعد والضوابط الفقہیۃ المتضمنۃ للتیسیر لعبدالرحمٰن بن صالح عبد اللطیف

۳۲۔ سنن الترمذی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر ۱۴۰۳، سنن ابوداؤد، باب الصلح، حدیث نمبر ۳۵۹۶

۳۳۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر ۳۴۹، مسلم، باب بیع الحصاۃ، حدیث نمبر ۲۷۸۳، مصنف عبدالرزاق، باب بیع المجہول والغرر، حدیث نمبر ۱۴۵۰۶

۳۴ انوار البروق فی انواع الفروق للقرافی، طبع بیروت، ۱/ ۲۷۶

۳۵ صحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام والنہد

۳۶ تبیین الحقائق، کتاب البیوع ۱۰/ ۲۳۸

۳۷ بدائع الصنائع، ۱۳/ ۹۵، کتاب الشرکۃ

۳۸ الانصاف فی معرفۃ الخلاف، باب القرض، طبع احیاء التراث بیروت، ۵/ ۹۶

۳۹ بدائع الصنائع، ۱۳/ ۹۸، کتاب الشرکۃ۔ اجرت پر وکالت کی بحث کے لیے درج ذیل کتابوں کی طرف مراجعت فرمائیں: حاشیۃ ابن عابدین، ۵/۴۹۴، تبیین الحقائق، ۴/۲۵۴، الشرح الکبیر للدردیر، ۳/ ۳۷۷، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۱۷، المغنی لابن قدامۃ، ۷/ ۲۹۷، نیل الاوطار، ۷/۱۰

۴۰ **التلخیص الحبیر للعسقلانی، ۲/ ۳۵۶**، ط دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۴۱ ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب فی غلول الصدقۃ، حدیث نمبر۲۹۴۷

۴۲ مسنداحمد، ۴/۱۴۰، ۱۵۷، ۲/۲/۷

۴۳ مستدرک حاکم، ۱/ ۳۹۸

۴۴ صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، کتاب الاحکام، مسلم، کتاب الامارۃ، سنن بیہقی، ۴/ ۱۱۰

۴۵ ہدایہ، فصل فی العزل والقسمۃ، ۳/ ۲۰۹، طبع المکتبۃ الاسلامیۃ۔ اس مضمون کی عبارت فتاوی ہندیۃ، ۳/ ۵۶۷، عقدالجواہر الثمینۃ، ۲/ ۶۸۷، روضۃ الطالبین، ۴/ ۳۲۵، کشف القناع، ۳/ ۴۸۴ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

۴۶ موطا امام مالک، ص ۴۶۴، مسند احمد، ۱/ ۳۱۳، ۵/ ۳۲۷، ابن ماجہ، ۲/ ۸۴۷

۴۷ بدائع الصنائع، ۱۲/ ۴۹۷ باب مایخرج بہ عن الوکالۃ، فتح القدیر لابن ہمام، فصل فی الوکالۃ فی الشراء، ۱۸/ ۲۷، تبیین الحقائق، ۴/ ۲۸۷، مواہب الجلیل، ۵/ ۱۸۷، بدایۃ المجتہد، ۲/ ۴۸۹، روضۃ الطالبین، ۴/ ۳۳۰

۴۸ الہدایہ مع شرحہ العنایہ، ۹/ ۴۰، طبع مصطفی الحلبی، شرح الخرشی، طبع بولاق، مصر، ۷/ ۱۰۲

۴۹ بدایۃ المجتہد، ۲/ ۳۹۰، ۳۹۱، بدائع الصنائع، ۱۳/ ۲۶۴

۵۰ الشرح الصغیر، ۳/ ۵۰۷، ۶۰۷، روضۃ الطالبین، ۵/ ۱۴۱

☆☆☆